میرا جسم میری مرضی کا نعرہ: اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایک مطالعہ

(My body my Choice Slogan: A Study in the light of Islamic teachings)

* ڈاکٹر غلام مصطفیٰ
** شہزاد احمد شاکر
*** محمد فیاض

Abstract

Women Day is celebrated throughout the world on 8th March. On this day women belonging to different parts of the world raise their voice on social media to make people realize women rights. This article reveals the history and background of "Women Day" and the slogan "My body, my will". Women who want freedom from religious and social limits and restrictions think that they would become more comfortable by gaining this freedom. They want equality in generation, but it is quite illogical. Allah Almighty has made their body totally different from men. Their body symmetry and field of action both are different from men. If they want peace and comfort in their life, they should return to their Creator, Allah Almighty and follow the instruction manual revealed by Him i.e. Quran. Islam is the only religion that provides women their due rights and respect.

Key Words: Modern woman, my body my choice, Islam

* اسسٹنٹ پروفیسر، محکمہ اعلیٰ تعلیم، پنجاب، لاہور
** پی۔ایچ۔ڈی اسکالر، ادارہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور
*** ایم فل سکالر شعبہ تقابل ادیان وعلوم اسلامیہ یونی ورسٹی آف سندھ جامشورو

8مارچ کا دن ہر سال پوری دنیا میں "خواتین کے حقوق کے عالمی دن" کے طور پر منایا جاتا ہے۔اس دن کو منانے کا آغاز 1917ء میں روس میں ہوا جب وہاں کچھ عورتوں پر ظلم کیا گیا۔روس میں اس دن یعنی 8مارچ کو چھٹی کا دن قرار دیا گیا۔اس کے بعد اس دن کو بعض دوسرے سوشلسٹ اور کمیونسٹ ممالک میں منایا جانے لگا۔پھر اقوام متحدہ نے 1977ء سے اس دن کو بین الاقوامی طور پر منانا شروع کیا۔اس کا مقصد مرد اور عورت میں مساوات اور خواتین کے حقوق کا شعور بیدار کرنا، بتایا گیا ہے۔ اس دن دنیا بھر میں خواتین مختلف بینرز اور پلے کارڈ اٹھا کر سڑکوں پر مارچ کرتی ہیں اور سوشل میڈیا پر بھی اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کرتی ہیں۔اس مضمون میں ہمارے پیش نظر اس نعرے کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ ہے۔

میرا جسم میری مرضی کے نعرے کا آغاز

مذکورہ عالمی دن کے تناظر میں "میرا جسم میری مرضی" کا نعرہ بہت معروف ہو گیا ہے۔اس نعرے کی صحافیوں اور لبنکرز نے عجیب تاویلات شروع کر رکھی ہیں۔یہ نعرہ بنیادی طور پر جس مفہوم کے لیے وضع کیا گیا تھا وہ یہ تھا کہ عورت کو اپنے پیٹ کے متعلق یہ فیصلہ کرنے کا حق ہے کہ وہ اس میں بچہ رکھے یا گرائے۔زیادہ نہیں تو امریکا میں پچھلی نصف صدی میں اسقاط حمل (Abortion) پر ہونے والا مباحثہ دیکھ لیجیے، بالخصوص امریکی سپریم کورٹ کا مشہور فیصلہ Roe v Wade اور اس پر اٹھنے والی بحث ہی دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ اصلاً یہ نعرہ اس سیاق میں اٹھا کہ مذہبی لوگ، بالخصوص کیتھولک مسیحی، جنین (رحم مادر میں بچے کی ابتدائی حالت) کی زندگی کے حق کی بات کرتے تھے، تو عورت کے جسم کے حق کی بات اس کے جواب میں پیش کی گئی اور اس نعرے کا مفہوم یہ تھا اور اب بھی یہی ہے کہ جنین کی اس کے سوا کوئی حیثیت نہیں ہے کہ وہ عورت کے جسم کا ایک ٹکڑا ہے اور عورت کو اپنے جسم کے متعلق فیصلہ کرنے کا اختیار ہے۔چنانچہ جیسے وہ اپنی بھنویں تراش سکتی ہے، بال سنوار سکتی ہے، ناخن بڑھا سکتی ہے، کاسمیٹک سرجری کر سکتی ہے، ایسے ہی اسے حق ہے کہ وہ فیصلہ کرے کہ اس کے پیٹ میں کوئی جرثومہ (Parasite) جو اس کا جسم چوستا ہے، باقی رہے یا نہ رہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ یہ بحث شادی کے نتیجے میں واقع ہونے والے حمل کے تناظر میں نہیں بلکہ بدکاری اور حرام کاری کے نتیجے میں پیدا ہونے والے حمل کے سیاق میں اٹھی۔شادی کرتے ہی کتنے لوگ ہیں؟ بلکہ اصل مسئلہ انفرادی سطح پر ہونے والی بدکاری اور حرام کاری کا بھی نہیں تھا اور نہ ہے، بلکہ اصل مسئلہ بدکاری اور حرام کاری کی انڈسٹری ہے۔یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ بدکاری اور حرام کاری کی اس انڈسٹری سے مراد صرف پورن انڈسٹری نہیں بلکہ شوبز، ماڈلنگ اور فیشن انڈسٹریز بھی ہیں کیونکہ جو خاتون حاملہ ہو جائے وہ ان میں سے کسی بھی انڈسٹری میں رہنے کی اہل نہیں رہ جاتی، یا کم از کم اس کی قیمت ضرور گر جاتی ہے۔ایک اور اہم نکتہ یہ ہے کہ اسقاطِ حمل کے اس نعرے کا مقصد صرف یہ نہیں کہ جنین کی زندگی سے زیادہ اہمیت "ماں کی زندگی" کو ہے، بلکہ اس کا آسان الفاظ میں مطلب یہ ہے کہ جنین کی زندگی کی بہ نسبت "عورت کی سہولت" زیادہ

اہم ہے۔ اگر ماں کی زندگی کو کوئی خطرہ نہ ہو، اور اسقاطِ حمل کے معاملات کی غالب اکثریت میں ماں کی زندگی کو کوئی خطرہ نہیں ہوتا، تب بھی "عورت کا جسم، اس کی مرضی" کا مطلب یہ ہے کہ وہ کیوں خواہ مخواہ اپنے لیے ایک مصیبت پالے؛ نو مہینے اسے اپنے پیٹ میں رکھے، اپنی شیپ خراب کرے، ڈائٹ تبدیل کرے، سکیجول (Schedule) تلپٹ کر دے، پھر ڈیلیوری یا سی سیکشن کی تکلیف اٹھائے، پھر فیڈنگ کے چکر میں پڑے، پھر پرورش کا روگ پالے؛ اور یوں اپنا سارا کیریئر تباہ کر دے؟ ہاں، وہ یہ سب کچھ اپنی مرضی سے کرنا چاہے تو بے شک کرے کیونکہ اس کا جسم، اس کی مرضی۔ یہ ہے اس نعرے کا اصل پس منظر۔ یہ نہیں کہ آپ داڑھی رکھیں یا کلین شیو ہوں، آپ پتلون پہنیں یا دھوتی وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر میں کثیر تعداد میں خواتین اول تو حمل ہونے نہیں دیتیں اور اگر غلطی سے ہو جائے تو اسے ساقط کروا دیتی ہیں۔ عالمی ادارہ صحت کی ویب سائیٹ کی رپورٹ کے مطابق دنیا میں ہر سال 40 ملین سے 50 ملین خواتین حمل ساقط کرواتی ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ روزانہ تقریباً 125000 حمل ساقط کر دیے جاتے ہیں۔

کیا عورت کو اسقاط حمل کا حق ہے؟

اس بحث کو درست تناظر میں سمجھنے کے لیے کچھ بنیادی سوالات پر غور کرنا ضروری ہے مثلاً کیا بچے پیدا کرنا فرد کا حق ہے یا فریضہ؟ مغربی ممالک کی عدالتوں میں اس سوال پر بڑی دلچسپ بحثیں وجود میں آئی ہیں۔ مثلاً اگر یہ حق ہے تو پھر قانون کیسے اسے محدود یا معطل کر سکتا ہے؟ کیا مثال کے طور پر ریاست کم سے کم (یا زیادہ سے زیادہ) عمر کی حد مقرر کر سکتی ہے کہ اس عمر سے قبل (یا اس عمر کے بعد) آپ بچے پیدا نہیں کر سکتے؟ قوانین میں شادی کی کم سے کم عمر کے متعلق دفعات دیکھ لیجیے۔ ابھی تک قوانین کی توجہ کم سے کم عمر پر ہی ہے، زیادہ سے زیادہ عمر پر قانونی پابندی کا وقت بھی آ جائے گا۔ اسی طرح ابھی تک بہت سے ممالک میں (یہودی یا مسیحی اثرات کی بنا پر) قریبی رشتہ داروں کے درمیان ازدواجی تعلق (Incest) پر پابندی ہے۔ گویا اسے بھی "حق" کے طور پر نہیں مانا جا رہا۔ آئندہ کی اللہ جانے! ایک تیسری قانونی پابندی جو ابھی برقرار ہے لیکن مستقبل قریب میں دور ہو سکتی ہے، وہ یہ کہ انسان اور جانور کے ملاپ سے کوئی اور نسل پیدا ہو۔ Technological Bestiality کا زمانہ بہت دور نہیں ہے۔ یہ تو رہا "پیدا کرنے کا حق" جو مغربی قوانین نے محدود طور پر مانا ہوا ہے، لیکن کیا "پیدا کرنے کا فریضہ" مغربی قوانین مانتے ہیں؟ اس کا سیدھا جواب یہ ہے کہ نہیں، ہر گز نہیں۔ چنانچہ اگر مرد بچہ چاہتا ہے اور عورت اسقاط تو کئی ممالک کی عدالتوں نے کئی بار فیصلہ کیا ہے کہ right not to be a parent کو right to be a parent پر فوقیت حاصل ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ معاملہ صرف مرد اور عورت کے حق کا ہے یا "جنین" کا بھی کوئی حق ہے جسے ضائع کرنے یا نہ کرنے کا سوچا جا رہا ہے؟ جنین کے حقوق کے حوالہ سے پہلی بات یہ ہے کہ بیشتر مغربی ممالک کے قوانین میں ابھی تک جنین کو مستقل "شخص" کے طور پر نہیں مانا گیا، باوجود اس کے کہ کئی ممالک، بالخصوص برطانیہ میں unborn child کے لیے جایداد کی وراثت کا حق تسلیم کیا گیا ہے۔ جب اس کے لیے حق وراثت مانا گیا ہے تو

پھر اسے شخص ماننے سے کیسے انکار کیا جاسکتا ہے؟ برطانیہ میں مسیحیت کے اثرات اور برطانوی معاشرے کے رواج کی بنا پر حق وراثت مانا جاتا رہا ہے اور اب تک برقرار ہے لیکن پچھلی ڈیڑھ صدی میں جس طرح لبرلزم کے اثرات پھیلے ہیں اور پھر "میرا جسم، میری مرضی" تک بات گئی ہے، تو اب جنین کو شخص مانا نہیں جاسکتا کیونکہ ایسا ماننے کے نتیجے میں عورت کا "حق اسقاط حمل" ختم ہو جاتا ہے! چنانچہ کئی بار برطانوی عدالتوں اور دیگر مغربی ممالک کی عدالتوں نے بھی تصریح کی ہے کہ رحم مادر میں جنین اپنی ماں سے الگ مستقل شخصیت نہیں رکھتا۔ بالفاظ دیگر اس کی شخصیت ماں کی شخصیت میں شامل ہے اور اس کا وجود ماں کے وجود کا حصہ ہے۔

اسلام کا معاملہ مختلف ہے۔ اس نے حاملہ عورت کو اس قدر سہولت اور اس کے بچے کو اتنی اہمیت دی ہے کہ حاملہ عورت اور دودھ پلانے والی عورت کو روزے کے معاملے میں بھی رخصت دی ہے کہ وہ چاہے تو فدیہ دے دے اور چاہے تو بعد کے دنوں میں رکھ لے۔ پھر بچے کی پیدائش کے موقع پر اگر ماں کا انتقال ہو جائے تو پاؤں سیدھا جنت میں اور اگر بچ جائے تو جنت سیدھی پاؤں میں!۔ ڈاکٹر آسوالڈ شوارز کی تحقیق کے مطابق یہ ایک ثابت شدہ حیاتیاتی قانون ہے کہ جسم کا ہر عضو اپنا خاص وظیفہ انجام دینا چاہتا ہے اور اس کام کی تکمیل چاہتا ہے، جو فطرت نے اس کے سپرد کیا ہے، نیز اگر اسے اپنے اس کام سے روک دیا جائے تو لازماً الجھنیں اور مشکلات پیدا ہوں گی۔ عورت کے جسم کا بڑا حصہ بنایا ہی استقرار حمل اور تولید کے لیے گیا ہے۔ اگر عورت کو اپنے جسمانی اور ذہنی نظام کا یہ فطری تقاضا پورا کرنے سے روک دیا جائے تو وہ اضمحلال اور شکستگی کا شکار ہو جائے گی۔ اس کے برعکس ماں بن کر وہ ایک نیا حسن، ایک روحانی بالیدگی پالیتی ہے جو اس جسمانی اضمحلال (کمزوری) پر غالب آجاتی ہے جس سے زچگی کے باعث عورت دوچار ہوتی ہے۔[1] نوبل انعام یافتہ ڈاکٹر الیکسس کیرل کے مطابق عورت کو ولادت کے عمل سے روکنا احمقانہ فعل ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ عورت کے لیے وظائف تولیدی جو اہمیت رکھتے ہیں ان کا ابھی تک پورا شعور پیدا نہیں ہوا ہے، اس وظیفہ کی انجام دہی عورت کی معیاری تکمیل کے لیے ناگزیر ہے، پس یہ احمقانہ عمل ہے کہ عورتوں کو تولید اور زچگی سے روکا جائے۔[2] ترقی پذیر ملکوں میں اسقاط حمل سے ہر سال اوسطاً 68000 خواتین موت کے منہ میں چلی جاتی ہیں۔ یہ بی بی سی کی رپورٹ ہے، اس کے تحت یہ خبر بھی شائع ہوئی کہ لینسٹیٹ مطالعاتی رپورٹ کے مطابق اسقاط حمل کے بعد کم از کم پانچ لاکھ خواتین ایسی ہیں جو کہ انفکشن اور دیگر پیچیدگیوں کے باعث ہسپتال جاتی ہیں۔

جسم اللہ کا، مرضی بھی اللہ کی

[1] Dr. Oswald Schwarz, The Psychology of Sex, Page 17

[2] Dr. Alixis Carrel, Man the Unknown, Page 52

مذکورہ نعرے کی مخالفت میں جو اسلامی تناظر میں "جسم اللہ اور مرضی بھی اللہ کی" کا نعرہ ابھرا ہے، اس میں بہت وزن ہے۔ دنیا میں جب کوئی کمپنی اپنی پراڈکٹ تیار کرتی ہے تو اس کے ساتھ ہدایت نامہ (Instruction Manual) بھی جاری کرتی ہے۔ اگر اس چیز کو کمپنی کی ان ہدایات کے مطابق چلایا جائے تو ٹھیک چلتی ہے ورنہ خراب ہو جاتی ہے۔ اسی طرح خالق کائنات نے انسان کو تخلیق کیا اور پھر اس کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے انبیا کو مبعوث فرمایا اور ان پر وحی کے ذریعے ہدایت نامہ یعنی کتابیں نازل فرمائیں۔ اگر انسان ان ہدایات کے مطابق زندگی بسر کرے گا تو دنیا و آخرت میں راحت اور فلاح و کامرانی حاصل کرے گا ورنہ تباہی و بربادی اس کا مقدر ٹھہرے گی۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ** [3] "کہہ دو کہ بے شک میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔" اس حوالے سے دیکھیں تو یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ "میرا جسم، میری مرضی" کا نعرہ لگانے والے نت نئی تاویلوں سے اس بات کو الجھانے کی کوشش کرتے ہیں، کبھی کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد بچیوں سے بدکاری ہے، کبھی چھوٹی عمر اور کبھی جبری شادی، کبھی اس سے مراد حصول اولاد کے بارے میں عورت کی رائے کو نظر انداز کرنا یا اس کی ملازمت میں آزادی کا دعوی کرنا لیا جاتا ہے۔ حالانکہ پاکستان میں اس نعرے کی ایک بڑی پرچارک ماروی سرمد نے خود ایک ٹی وی مباحثے میں "ازدواجی تعلق میں اپنی مرضی، اور بچے پیدا کرنے میں اپنی مرضی" کا حوالہ دے کر اپنے دعوے کی تکرار کی تھی۔ اسی طرح اس کے ساتھ لگائے جانے والے نعرے مثلاً میں آوارہ بدچلن سہی؛ اگر دوپٹہ اتنا پسند ہے تو خود لے لو؛ میں طلاق یافتہ لیکن خوش ہوں؛ شادی نہیں آزادی؛ شادی کے علاوہ اور بھی بہت کام ہیں؛ میری مرضی کی تسبیح روزانہ پڑھیں؛ سب اس نعرے کے مقصد و مراد کو بخوبی واضح کر دیتے ہیں۔ اس نعرے میں جسم کو میرا کہا گیا ہے، حالانکہ اگر جسم انسان کی ملکیت ہوتا تو نشہ کرنا اور خودکشی کرنا جائز ہوتا، اور انسان کے لیے اپنے اعضا کی خرید و فروخت بھی جائز ہوتی، جسے ہر تہذیب ہی برا اور ناجائز قرار دیتی ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ یورپ اور مغربی ممالک کی خواتین تو اپنے معاشروں میں بے حیائی اور عورت کی ناقدری اور استحصال سے متنفر ہو کر اور اسلام کے عائلی اور عفت و عصمت کے نظام سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر رہی ہیں، لیکن ہماری لبرل خواتین آزادی کے نعرے لگا رہی ہیں۔ اسلام انھیں گھر کی چار دیواری میں تحفظ فراہم کر کے مرد کی ذمہ داری لگاتا ہے کہ اسے خوراک، لباس اور دیگر ضروریات زندگی مہیا کرے، لیکن یہ چاہتی ہیں کہ ہم بھی مغربی خواتین کی طرح گلیوں کی خاک چھانیں۔

دین اسلام نے ہر ایک کے حقوق و فرائض کا تعین کیا ہے جن میں میاں بیوی کے حقوق و فرائض، والدین اور اولاد کے حقوق و فرائض، حاکم و رعایا، امیر، غریب، پڑوسی، استاد، شاگرد، چھوٹا، بڑا سب شامل ہیں۔ اگر ہم ان حقوق و فرائض کا

---

[3] الانعام، 6:162۔

علم حاصل کرکے ان کے مطابق اپنی زندگی بسر کرنا شروع کر دیں تو یقینی طور پر یہ دنیا امن کا گہوارہ بن جائے اور معاشرے سے بد نظمی، فساد، ظلم اور نا انصافی کا خاتمہ ہو جائے۔ لیکن یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے جب ہم مکمل طور پر دین اسلام میں داخل ہو جائیں جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ریاست مدینہ میں عملی طور پر اس کا مظاہرہ کیا۔اور پھر نبی کریم ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق ایک وقت ایسا آیا کہ ایک عورت زیورات سے لدی ہوئی، لمبا سفر کر کے مکہ مکرمہ حج کرنے آئی اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ تھا اور سیدنا عمر بن عبدالعزیز کے دور خلافت میں دنیا نے وہ منظر دیکھا کہ زکوۃ دینے والے گلیوں میں پھرتے تھے لیکن کوئی زکوۃ لینے والا نہ تھا۔

قبل از اسلام اور مغربی معاشرے میں عورت کی حیثیت

اسلام سے قبل ہر دور میں مظلوم اور محکوم عورت کا مقدر رہی ہے۔اس کے حصہ میں روشنی کبھی نہیں آئی، وہ اذیت اور ذلت کا بوجھ اٹھائے تاریکیوں کے جنگلوں میں بھٹکتی رہی ہے۔ کہیں صنفی امتیاز کے سبب اسے زندہ دفن کیا گیا تو کہیں شوہر کی وفات پر خود سوزی کے لیے مجبور کیا گیا۔ کبھی معمولی اشیا کی طرح بازاروں میں بیچا اور خریدا گیا تو کبھی باپ، شوہر یا بیٹے کی ملکیت مانا گیا۔ کبھی اسے شیطان کی ایجنٹ، شر و فتنہ کا مجسمہ تو کبھی اسے بدی کی جڑ اور معصیت کا دروازہ قرار دیا گیا۔ بحیثیت انسان اسے اس کے جائز مقام اور حقوق سے ہمیشہ محروم رکھا گیا۔ August Bell کے مطابق قدیم دور میں عورت کی حیثیت انتہائی درجہ کے استبداد سے دوچار تھی۔اسے جسمانی طور پر مغلوب کرکے قبضے میں رکھا جاتا اور ذہنی طور پر اس سے بھی زیادہ ظلم روا رکھا جاتا تھا۔خانگی معاملات میں اس کی حیثیت نوکروں سے صرف ایک درجہ بہتر تھی۔اس کے اپنے بیٹے اس کے آقا ہوتے تھے جن کی فرمانبرداری اس پر لازم تھی۔[4] سید محمد قطب نے لکھا ہے کہ قدیم یورپ بلکہ دنیا بھر میں عورت کو کوئی قدر و منزلت حاصل نہیں تھی۔قدیم علما اور فلاسفہ عرصہ دراز تک اس کے بارے میں کچھ اس قسم کے موضوعات پر سر کھپاتے رہے کہ کیا عورت میں بھی روح ہوتی ہے؟ اگر اس میں روح ہوتی ہے تو یہ انسانی روح ہے یا حیوانی روح؟ اور اگر انسانی روح ہے تو مرد کے مقابلے میں اس کا صحیح معاشرتی مقام کیا ہے؟ کیا عورت پیدائشی طور پر مرد کی غلام ہے یا غلام سے اس کا مقام کچھ اونچا ہے؟[5] یہودی روایات کے مطابق عورت ناپاک وجود ہے اور اس کائنات میں مصیبت اسی کے سبب ہے۔ان کے نزدیک مرد نیک سرشت اور حسن کردار کا حامل اور عورت بدطینت اور مکار ہے کیونکہ اس نے آدم کو بہلا پھسلا کر پھل کھانے پر آمادہ کیا جس سے اللہ نے منع کیا تھا۔یہودی شریعت میں مرد کا اختیار اور عورت کی محکومیت نمایاں ہے۔ عورت باپ کی رضامندی کے بغیر خدا کو راضی

---

[4] ڈاکٹر محمد شہزاد شمس، عورت اور سماج، (دہلی: تخلیقکار پبلشرز، 2006)، 16۔

[5] محمد قطب، سید، اسلام اور جدید ذہن کے شبہات، 172۔

کرنے کے لیے منت اور نذر بھی نہیں مانگ سکتی۔ عورت کو دوسری شادی کا بھی حق حاصل نہیں تھا۔[6] عیسائی مذہب کا بنیادی خیال بھی یہی تھا کہ عورت گناہ کی ماں اور بدی کی جڑ ہے اور جہنم کا دروازہ ہے۔ ترتولیان جو ابتدائی دور کے آئمہ مسیحیت میں سے تھا، اُس کے عورت کے بارے میں نظریات ہیں: "وہ شیطان کے آنے کا دروازہ ہے، وہ شجر ممنوع کی طرف لے جانے والی، خدا کے قانون کو توڑنے والی اور خدا کی تصویر، مرد کو غارت کرنے والی ہے۔"[7] ہندو دھرم میں عورت کو سرکشی کی صفات کا مجموعہ ، متلون مزاج، مردوں کو بہکانے والی، جھوٹی ، مکار، احمق اور ظالم قرار دیا گیا ہے۔ عورت کو شودروں کے زمرے میں شامل کیا گیا ہے اور ان کے ساتھ اسے بھی "پاپایانی" یعنی گناہ گار قرار دیا گیا ہے کہ وہ پیدائشی گناہ گار ہے اور زندگی میں اس کا پست مقام طے شدہ ہے۔ اگر خاوند فوت ہو جائے تو بیوہ کو اس کے ساتھ زندہ جلا دیا جاتا ہے۔ اسے "ستی" کی رسم کہا جاتا ہے۔ اسی طرح موجودہ مغربی معاشرے میں بھی عورت کا معاشرتی استحصال کیا جاتا ہے۔ اسے ٹشو پیپر کی طرح استعمال کر کے پھینک دیا جاتا ہے۔ ایک غیر مسلم انجنیئر جو مغرب سے پاکستان میں کام کے لیے آیا ہوا تھا، اسے کسی نے پوچھا کہ تمھیں اپنی بیوی کی یاد نہیں آتی؟ تو اس نے جواب دیا: "عورتیں بسوں کی طرح ہیں۔ اگر ایک چھوٹ جائے تو دوسری لے لو۔"

اسلام میں عورت کا مقام

مختلف اقوام ومذاہب میں صنفِ نازک کے مقام ومرتبہ کے جائزے سے یہ علم ہوتا ہے کہ عورت ظلم وجبر، ذلت وحقارت، بدسلوکی، تنگ نظری اور جہالت کے اندھیروں سے نبرد آزما تھی۔ لیکن جب اسلام کا مہر تاباں طلوع ہوا تو اس کی بے نور زندگی عفو وکرم، رحمت ومودت اور حسن سلوک سے منور ہو گئی۔ اسلام دین فطرت ہے جو عورت کو بحیثیت انسان تمام فطری اور جائز حقوق عطا کرتا ہے۔ اسلام خواتین کے حق میں بڑا ہی نرم واقع ہوا ہے، ان کے مزاج اور ان کی فطری کمزوریوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ قرآن وحدیث میں مختلف مواقع پر مردوں کو یہ تلقین کی گئی ہے کہ وہ عورتوں کے معاملے میں عفوودرگزر اور نرم خوئی سے کام لیں، ان کی جذباتیت کو ملحوظ رکھیں، ان کے ساتھ گزر بسر کے دوران، ان کی حساس اور نفیس طبیعت کا خیال رکھیں، ان سے اچھا سلوک کریں، ان کے حق میں بہترین ثابت ہوں، اگر وہ غلطیوں کی مرتکب بھی ہوں تو انہیں نرمی سے سمجھایا جائے، سختی نہ برتی جائے۔ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا کہ عورتوں کے

---

[6] ڈاکٹر خالد علوی، اسلام کا معاشرتی نظام (دہلی: اسلامک بک فاؤنڈیشن، 2011ء)، 466۔

[7] مولانا محمد ظفیر الدین، اسلام کا نظامِ عفت وعصمت (لاہور: دارلاندلس، س ن)، 43۔

ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ اگر وہ تمھیں ناپسند ہوں (تب بھی ان سے نباہ کرو) ہو سکتا ہے کہ جس کو تم ناپسند کرتے ہو اس میں اللہ نے بہت بھلائی رکھی ہو۔[8]

قرآنِ حکیم میں مرد کو "قوام" کہا گیا ہے۔ وہ خواتین کے سربراہ، نگران و محافظ، ان کے سکھ دکھ کے ساتھی ہیں، ان کی ضرورتوں کی تکمیل ان کی سلامتی کی ذمہ داری مردوں کے سپرد کی گئی ہے۔ باپ، بھائی، شوہر، بیٹا، زندگی کے مختلف مرحلوں میں ان کے کفیل ہوتے ہیں۔ اگر یہ موجود نہ ہوں تو دیگر محرم رشتہ دار جیسے، نانا، دادا، چچا یا ماموں، بہر حال خواتین کو کسی بھی صورت میں بے یار و مددگار نہیں چھوڑا گیا۔ اگرچہ عورت پر معاشی بوجھ نہیں ڈالا گیا لیکن اسے معاشی تگ و دو کی مکمل آزادی حاصل ہے۔ وہ اپنی عفت کی حفاظت اور گھریلو ذمہ داریوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے معاشرے میں ایک فعال اور سرگرم کردار ادا کر سکتی ہے۔ صحابیات تجارت، زراعت، گلہ بانی، دستکاری اور دباغت وغیرہ سے وابستہ تھیں، اور وہ اپنی آمدنی شوہر و بچوں کے علاوہ راہِ حق میں صرف کیا کرتی تھیں۔

خلاصۂ بحث

اسلام نہ صرف مسلم بلکہ غیر مسلم خواتین کے حقوق کے تحفظ کی بھی ضمانت دیتا ہے۔ قرونِ اولیٰ میں اس کی مثال عدی بن حاتم کی بہن ہے کہ جب عدی رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے ان کی بہن مسلمانوں کی قید سے رہا ہو کر آئی تو انھوں نے اپنی بہن سے پوچھا کہ مسلمانوں نے تمھارے ساتھ کیا سلوک کیا؟ تو اس نے جواب دیا کہ جو شرم و حیا میں نے مسلمانوں کی نظروں میں دیکھی ہے وہ تمھاری نظر میں بھی نہیں۔ اور موجودہ دور میں اس کی مثال "یان رڈلی" (Yvonne Ridley) ہے جو افغان طالبان کی قید میں رہی اور واپس برطانیہ جا کر اسلام قبول کر لیا۔ رڈلی کا کہنا ہے کہ امریکہ میں ہر سال 40 لاکھ خواتین اپنے خاوند یا بوائے فرینڈ کے ہاتھوں تشدد کا نشانہ بنتی ہیں اور روزانہ تین یا اس سے زائد عورتیں قتل ہوتی ہیں۔ مسلم معاشروں میں بہت کم ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں۔ لہٰذا جو خواتین چاہتی ہیں کہ انھیں ان کے جائز حقوق فراہم کیے جائیں تو انھیں چاہیے کہ خود بھی اسلام پر عمل کریں اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیں۔ مغربی تہذیب کو اپنا کر یا سڑکوں پر احتجاجی نعرے لگانے سے انھیں کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ اس تناظر میں دیکھنے سے واضح ہے کہ میرا جسم میری مرضی کا نعرہ نہ صرف خلافِ اسلام ہے، بلکہ یہ عورت پر بہت بڑا ظلم بھی ہے۔

---

[8] النساء 4:19۔